Dyal Singh Journal of Humanities and Social Sciences (DSJHSS)
Vol. 1, No. 1, 2023, pp. 41-48
ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

EXTRA PERSPECTIVE OF WAZIR AGHA'S POEMS

وزیر آغا کی نظموں کا ماورائی تناظر

Mujahid Hussain[1]

مجاہد حسین

Abstract

Received: 21-01-23

Reviewed: 29-03-23

Accepted: 20-04-23

Published: 30-06-23

When a great poet, writer or penman takes us from the world of matter to the immaterial world, his artwork or creation in the form of a tahir gives happiness. A truth is revealed. If the separation from the ordinary brings in the extraordinary, then this creation becomes a prelude to contemplation and deliberation with satisfaction for the reader. Because he takes his listener or reader for a while to a unique world beyond the 'material world'. The beauty of great literature is its familiarity with extraordinary things. The search for the extraordinary is called 'transcendence'. In his poems, Wazir Agha takes the reader away from the visual world where a completely different world is inhabited. Those worldly material ideas are completely different from the terrestrial realm. There is no doubt that in his book 'The Mood of Urdu Poetry' he calls poetry a terrestrial object. But it is a terrestrial mind in which 'transcendence' is also connected with mental harmony. The first open expression of the transcendental aspect in his poems is found when the reader reads so a unique world and an extraordinary statement amazes him.

Keywords: Creative reader, Transcendence, Trivia, Expression, Confrontation, Wonder, Unique world, Imagination, Extraordinary abilities, Perception of poetry

CC BY

This is an open access article distributed under the terms of CC-BY-4.0, which permits unrestricted use, distribution, reproduction, and adaptation in any medium and for any purpose with proper attribution to the original author(s), title, journal, and URL.

[1] Lecturer in Urdu, Higher Education Department, Punjab (rmujahidsaqib@gmail.com)

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

ماورائیت بنیادی طور پر فلسفیانہ اصطلاح ہے۔ یہ تنقیدی اصطلاح ہرگز نہیں ہے۔ تنقید میں چونکہ کئی دوسرے علوم کی اصطلاحات مستعمل ہیں لہٰذا اسے بھی اسی تناظر میں لیا گیا ہے۔ اس کے بے شمار پہلو ہیں لیکن بڑی چیز جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ایک مادہ ہے اور ایک جوہر ہے۔ مادہ کی اپنی صورت ہے، شکل ہے، بدن ہے لیکن جوہر ایک Essence ہے، اسے گرامر، سسٹم یا اصل الاصول بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال ہاکی میچ سے دی جاسکتی ہے جس میں کھلاڑی ہاکی، گیند اور دیگر لوازمات کے ساتھ میدان میں کھیل رہے ہیں۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ جو اپنا مادی وجود رکھتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ Essence بھی موجود ہے جو سسٹم کی صورت میں ہے۔ اگر سسٹم یا قواعد کو میچ سے منہا کر دیا جائے تو سب کچھ بدنظمی کی نظر ہو جائے گا۔ گویہ مادہ نہیں لیکن اس کے بغیر مادہ اپنی کارکردگی نہیں دکھا سکتا۔

بعض مفکرین کا خیال ہے کہ یہ کائنات مادہ ہے، بعض اصل کی نقل سمجھتے ہیں جب کہ بعض نے اسے 'مایا' قرار دیا ہے جس سے مراد یہی ہے کہ جو کچھ آپ کو نظر آرہا ہے وہ حقیقتاً کچھ نہیں بلکہ فریبِ نظر ہے۔ بادی النظر میں ماورائیت اور مادیت کو ایک ہی چیز کے دو پہلو یا ایک ہی سکے کے دو رُخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم خالصتاً ماورائیت میں چلے جائیں تو مادیت منہا ہو جاتی ہے۔ مادیت سے ہیئت بنتی ہے، صورتیں بنتی ہیں۔ اگر اسے منہا کر دیا جائے تو کچھ بھی سامنے نہیں آئے گا، لیکن اگر مادیت کے اندر 'جوہر' نہیں ہے تو پھر بھی یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو زندگی کے مسائل اور خیالات کا تعلق عموماً دو حصوں سے ہوتا ہے۔

(۱) ارضی مسائل یعنی وہ خیالات، حالات و واقعات ہوتے ہیں جن کا تعلق ارض و معروض سے ہے اور جو زمان و مکاں کی دسترس میں آتے ہیں۔

(۲) دوسرے مابعد الطبیعاتی مسائل ہوتے ہیں جو تاریخ، سماج، ثقافت اور تہذیب سے بلند تر ہوتے ہیں اور زمین و زماں، زمان و مکاں سے بالاتر ہوتے ہیں۔ ماورائی دنیا کا تعلق طبعی وجود کی بجائے خیالات، بلکہ مطلق خیالات سے ہوتا ہے۔ گویا اگر کہا جائے کہ انسان کے حواس سے ماورا چیزیں 'ماورائیت' کی ذیل میں آتی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ وزیر آغا کی نظموں میں 'ماورائیت' کس انداز میں جلوہ گر ہے، اس کا تجزیہ سطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک بڑا شاعر، ادیب یا قلم کار جب ہمیں مادے کی دنیا سے غیر مادی دنیا میں لے جاتا ہے تو ایک تحیر کی صورت میں اس کا فن پارہ یا تخلیق خوشی عطا کرتی ہے۔ ایک سچ کھلاتا ہے۔ معمول سے علیحدگی اس میں غیر معمولی پن لاتی ہے تو یہ تخلیق قاری کے لیے طمانیت کے ساتھ تفکر اور تدبر کا پیش خیمہ بھی بنتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے سامع یا قاری کو تھوڑی دیر کے لیے 'مادی دنیا' سے پرے ایک انوکھی دنیا میں لے جاتا ہے۔ بڑے ادب کی خوبی غیر معمولی چیزوں سے آشنائی ہے۔ معمولی سے غیر معمولی کی تلاش 'ماورائیت' کہلاتی ہے۔ وزیر آغا اپنی نظموں میں قاری کی نظری و بصری دنیا سے اسے یک دم دور لے جاتے ہیں جہاں ایک بالکل علیحدہ جہان آباد ہے۔ وہ دنیا مادہ خیالات ارضی ڈگر سے یکسر ہٹ کر ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی تصنیف 'اردو شاعری کا مزاج' میں شعر کو ارضی شے قرار دیتے ہیں لیکن یہ ایسا ارضی ذہن ہے جس میں 'ماورائیت' بھی ذہنی تطابق سے مربوط ہوتی ہے۔ ان کی نظموں میں ماورائی پہلو کا پہلا کھلم کھلا اظہار اس وقت ملتا ہے جب قاری پڑھتا ہے تو ایک انوکھی دنیا اور غیر معمولی بیان اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے اور وہ دانتوں میں انگلی داب غور و فکر کے لمحات میں اسی دنیا میں غواصی کرنے لگتا ہے۔

زمیں کی گدڑی کے سارے پیوند
اپنے اندر سمٹ گئے تھے
ستارے اب میرے روبرو تھے
ستارے جیسے کروڑوں اربوں چمکتے جگنو

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

کہ زرفشاں تھے

مگر ستارتے بھی ہولے ہولے مٹ رہے تھے

سفر نے بے انت روشنی کا

سفید چوغہ پہن لیا تھا

کوئی بھی رستہ نہیں بچا تھا

سفر، حدودِ سفر سے آزاد ہو گیا تھا[i]

وزیر آغا کی نظموں میں تحیر سے غیر معمولی انسلاک اور متخیلہ کے ذریعے کائناتی صداقتوں تک دستک دے کر خود اپنے اندر عرفان و آگہی کے سرچشموں تک رسائی ملتی ہے۔ یوں جب آگہی کے یہ سرچشمے سامنے آتے ہیں تو ایک تصوراتی کائنات اپنے وجود کا احساس دلانے لگتی ہے اور ایک ایسی شعری دنیا کی تخلیق کرتی ہے جو تجسس اور تحیر کو بیدار کر کے اپنی جانب منعطف کر لیتی ہے۔

ماورائیت کسی بھی چیز کو مطلق حیثیت میں دیکھنے کے بجائے ماورائے حواس دیکھتی ہے جس میں نظر و بصر اور ذائقہ و لمس کو چنداں دخل نہیں ہوتا۔ یہ دنیا بالکل الگ اور ماورائے وجود ہوتی ہے۔ بعینہٖ اس پُل کے جسے ایک انجینئر دیکھتا ہے تو اس کے سٹرکچر، میٹریل، بناوٹ اور معیار کی نشان دہی کرتا ہے، اس پر خرچ کا تخمینہ بھی لگا سکتا ہے، گویا وہ پُل کو اُس کی مطلق حیثیت میں دیکھتا ہے، مگر جب ایک اعلیٰ درجے کا متخیلہ رکھنے والا شاعر اسے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو ایک سنگم ہے جو دو دنیاؤں کو ملا رہا ہے، دو کناروں کا وسیلۂ میلاپ ہے، اگر نہ ہو گا تو دونوں دنیاؤں کا مقدر علیحدگی ہو گی۔ یہی معمولی سے غیر معمولی تخلیقی سفر اسے 'ماورائیت' سے آشنا کرتا ہے۔ پڑھنے والا جب ایسی چیز پڑھتا ہے تو معمول سے ہٹ کر اسے طمانیت اور خوشی ملتی ہے اور کھلکھلاتے سچ کو کھلکھلاتے چہرے کے ساتھ عیاں کر دیتا ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں یہ ماورائی صورت کئی جگہ اپنے مخصوص انداز میں موجود ہے جہاں وہ چلتے چلتے تھوڑی دیر کے لیے ایسی کائنات کا رُخ کرتے ہیں جہاں قاری اٹک جاتا ہے اور جہاں سے معنیات کے کئی سلسلے نکلتے ہیں:

میں بیلوں کے کنبے کا اکلوتا وارث

اپنے تن کی کہنہ عمارت سے چھٹا ہوں

لانبے، پتلے سانپوں ایسے ہاتھوں سے میں

دیواروں پر رینگ رہا ہوں

دروازوں سے لپٹ رہا ہوں

تاریکی کے بے آواز سمندر کو چھوتا ہوں

نامعلوم کے پردوں تک بڑھ جاتا ہوں

پھر کچھ آگے

ناموجود کے بھاری در سے ٹکراتا ہوں[ii]

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

وزیر آغا کا ماورائی تناظر ہمیں اُس پُر اسراریت کی طرف بھی لے جاتا ہے جہاں ہوا اپنی علامتی صورت میں سر گوشیاں کرتی چلتی ہے۔ جہاں 'آواز' اپنے علامتی روپ میں دہکتی ہوئی کرچیوں اور بھنبھناتی ہوئی شہد کی مکھیوں کی صورت میں ملتی ہے۔ اس میں کتنے ہی اور کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں، یہ نظموں کے مطالعہ کے بعد ہی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ 'اسرار' کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"اسرار کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ پورے طور پر گرفت میں نہیں آتا، تاہم آدمی جب اسے مس کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو آدمی کی تنگ اور گھٹی ہوئی دنیا میں حیرت انگریز اور مسرت آمیز کشادگی پیدا ہو جاتی ہے، مگر اسرار کی ایک یہ خصوصیت بھی ہے کہ وہ جلد غائب بھی ہو جاتا ہے اور آدمی پھر سے اپنی تنگ اور سپاٹ دنیا میں لوٹ آتا ہے مگر آدمی کا 'اندر' اسرار سے مس ہونے کے نایاب تجربے کو نہیں بھول سکتا۔ وہ خواہش کرتا ہے کہ اسرار میں تحلیل ہو کے بے کراں ہو جائے یا اسرار سمٹ کر اس کے وجود میں سرایت کر جائے۔"[iii]

ہوا کا کوئی مادی وجود نہیں بلکہ یہ ایک غیر مرئی شے ہے۔ وزیر آغا کی نظم 'المیہ' میں اس کی پُر اسراریت ایک دوشیزہ کے روپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ 'ہوا کہتی رہی۔ آؤ' میں بھی شاعر اسرار کی طرف رسائی کرتا ہے۔ نظم 'ہوا اگر میرا روپ دھارے' میں بھی اسی نوعیت کی پُر اسراریت نمایاں ہے اور وزیر آغا اُسی پُر اسراریت کے اندر جی رہے ہیں۔

ہوا سے کیسے کہوں کہ میری یہ سانس تو ایک واہمہ ہے
ہزاروں کالی نحیف جونکیں
مرے بدن سے چمٹ گئی ہیں
بدن کے ساغر کو پی رہی ہیں[iv]

وزیر آغا کے فن کا کمال یہ ہے کہ غیر مرئی اشکال بھی واضح اور شناسا نظر آنے لگتی ہیں اور قاری انھیں اپنے وجود کے ساتھ مست ہوتے محسوس کرتا ہے۔ بقول ہلراج کومل:

"وزیر آغا کے یہاں ایک ایسی پر اسرار موجودگی ہے جو بیک وقت پیکر آشنا بھی ہے اور ماورائے جسم بھی ہے، مسلسل کار فرما ہے، جب یہ پر اسرار موجودگی پیکر میں ڈھلتی ہے تو کبھی یہ گلاب ایسے بدن کا یا پتے کا یا شعلے کا یا ناگ یعنی سانپ کا یا غرغل کا یا شال کا روپ لے لیتی ہے یا ایسی تصویر کا جس میں جانے پہچانے زمینی رنگ اور غیر ارضی سائے گڈ مڈ ہو گئے ہیں۔ وزیر آغا کی تازہ نظموں اور غزلوں میں کار فرما یہ موجودگی بالآخر ایک ایسی آواز کا روپ اختیار کر لیتی ہے جو ایک سوالیہ نشان کی صورت میں فکری، ذہنی اور روحانی تلاش اور تجسس کی آئینہ دار ہے۔"[v]

بلاشبہ ہر اچھی تخلیق اپنے باطن میں اسرار کا ایک گورکھ دھندہ ہوتی ہے جس تک پہنچنے کے لیے پرت در پرت کھولنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ اس عمل میں قاری کو شاں ہوتا ہے اور تخلیق کار رہبر کا کردار ادا کرتا ہے۔

وزیر آغا کی نظموں میں 'آواز' بھی ماورائیت کی نمائندہ ہے جس کا کوئی مادی وجود نہیں ہے۔ اپنی پُر اسراریت کے باعث علامتی صورت میں ان کی نظموں کی جان ہے، جہاں حیرت پھولتی ہے اور قاری کو نظم کے اندر کھونے اور اپنے باطن میں غواصی پر حد درجہ مائل کر دیتی ہے۔ یہ صورت ان کی نظم 'کبھی آواز اک ریشم کی ڈوری تھی' سے بخوبی عیاں ہے۔ نظم 'تیری آواز کا ساگر سنائی دے' بھی لگ بھگ اسی ماورائی تناظر میں تخلیق ہوئی ہے۔

Dyal Singh Journal of Humanities and Social Sciences (DSJHSS)
Vol. 1, No. 1, 2023, pp. 41-48
ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

وزیر آغا کے ہاں 'چہکار' کی صورت بھی ملتی ہے اور آنسوؤں میں بھیگی ہوئی گلوگیر پکار بھی بن کر سامنے آتی ہے۔ یہاں وہ قاری کو اُس دنیا کی سیر کراتے ہیں جو تخیلاتی ہے جہاں وہ قاری کو سوچتا ہوا چھوڑتے ہیں۔ وہ اس نئی دنیا میں گھومنے لگتا ہے تو یادوں میں کپٹی گزرے دنوں کی جھنکار اسے اپنے دامن میں لے لیتی ہے اور پھر اندر اور باہر کی آوازوں کی لہریں ارتعاش کی صورت میں اسے حد درجہ متحرک کر دیتی ہیں۔ وہ لطف محسوس کرتا ہے۔ یہ ان دیکھی دنیا ہے۔ اس ان دیکھی دنیا کے مناظر کی شدت ان کے مجموعہ 'نردبان' میں نسبتاً زیادہ ہے۔ ان کی نظمیں 'دست بستہ کھڑا ہوں'، 'دھوپ' اور 'اک سیال سونے کا ساگر' جہانِ دیگر کی تخلیقیت کا عمدہ اظہاریہ قرار دی جا سکتی ہیں۔

عجب روشنی ہے
اندھیرے کے کشکول میں کسی نے سونے کا دینار پھینکا
کہ کلیاں شعاعوں کی کھلنے لگیں
سارے جنگل کے پتے زمرد بنے، ٹہنیاں پیلے سونے کی چھڑیاں ہوئیں
سات رنگوں کی پریاں انوکھا سا اک رقص کرنے لگیں
اور پھر میں نے دیکھا
کہ میں اپنے ہی روبرو دست بستہ کھڑا ہوں
میں تاریک جنگل میں خود اپنے ہی پرتو سے اندھا ہوا ہوں[vi]

ایسی کئی پُر تحیر اور پُر اسرار کیفیات کا اظہار ان کی نظموں میں ملتا ہے جہاں ماورائیت کا دائرہ اس قدر وسعت اختیار کرتا ہے کہ مابعد الطبیعاتی کیفیات کی انوکھی شدت نمایاں ہونے لگتی ہے۔ بقول ارمان نجمی:

'ان کی تیسری آنکھ ان مناظر کے پار بھی دیکھ لیتی ہے ہم جنھیں دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے۔''[vii]

وہ ان دیکھے جہانوں میں غواصی کرتے اور قاری کو ہم زاد بناتے ہیں وہ بھی اسی طرح کہ قاری اُن اسرار میں گُم ہو کر رہ جاتا ہے۔

وزیر آغا کے ہاں معلوم سے نامعلوم کا سفر، نامعلوم کی دریافت اور اس کے اسرار کو آشکار کرنے کی تمنا موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جہان کے اندر ایک اور جہان بھی موجود ہے جسے ہم اپنی کائناتی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے لیکن شاعر ہمیں وہاں لے جاتا ہے جو دنیا بظاہر ہمارے سامنے نہیں ہوتی۔ اقبال جب 'دیدۂ بینا' کا تقاضا کرتا ہے تو اس کے نزدیک دنیاوی آنکھ سے حقیقت تک رسائی ممکن نہیں بلکہ حقیقت اصلیہ کو دیکھنے کے لیے 'دیدۂ بینا' کی ضرورت ہے اور حقیقت مطلقہ یا اصل الاصول سے روشناس وہی شاعری کرا سکتی ہے جس میں نامعلوم کو دریافت کرنے کے ساتھ پُر اسراریت بھی موجود ہو۔ وزیر آغا کی نظموں کے ماورائی پہلو پر ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''وزیر آغا کی نظموں میں نامعلوم کو دریافت کرنے کا عمل ایک غالب رجحان کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے سامنے ایک وسیع کائنات پھیلی ہوئی ہے۔ دھرتی کے نشیب و فراز، ندیوں کی آوارہ خرامی، پہاڑوں کی خودسری، دریاؤں کا طلاطم، صحراؤں کی وُسعت اور میدانوں کا پھیلاؤ سب اس کائنات کے متنوع مظاہر ہیں لیکن ان سب کے پیچھے ایک خودکار قوت موجود ہے جو نظر نہیں آتی اور جس کا اسرار نہیں کھلتا، لیکن جس کے جادوئی عمل نے پوری کائنات کو اپنے محیط میں لے رکھا ہے اور ازل

Dyal Singh Journal of Humanities and Social Sciences (DSJHSS)
Vol. 1, No. 1, 2023, pp. 41-48
ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

سے اسے ایک مخصوص نظام کے تحت چلا رہی ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں فطرت کے اس ازلی اور ابدی روپ کو دیکھنے اور اس کے اسرار سربستہ کو آشکار کرنے کی خواہش فطری انداز میں نمو پاتی ہے۔"[viii]

بلاشبہ باطن کی غواصی ناممکن ہے لیکن جب شاعر غوطہ زن ہوتا ہے تو وہ قاری کو بھی اس دنیا میں لے جاتا ہے۔ باطن میں غواصی ان کی نظموں کے ساتھ ان کے انشائیوں میں بھی ملتی ہے۔ ان کی نظموں 'عکس'، 'جب آنکھ کھلی میری'، 'روشنی'، 'بیکراں وسعتوں میں تنہا' اور 'نشترگاہ' میں ان کا تخلیقی عمل انوکھے اسرار سامنے لاتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

کروڑوں برس کی مسافت پہ پھیلا ہوا سارا عالم
صداؤں کی لہروں کی اک چیختی نشترگاہ بن چکا تھا
فقط اپنے ہونے کا اعلان کرتا چلا جا رہا تھا
اعلان کس کے لیے تھا
تخاطب کا رُخ کون سی سمت میں تھا
تجھے کیا خبر ہے[ix]

نظم مذکورہ میں وہ پُر تحیر لہجے میں اسرار کا سامنا کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہیں اور استفہامیہ انداز میں خود سے سوال کرتے ہیں۔ دراصل اپنے وجود کو، وجود سے باہر محسوس کرنا، انکشافِ ذات یا عرفانِ ذات کی ایسی منزل ہے جو کسی خاص ذہن یا روحانی کیفیت کے وسیلے سے وجود میں آتی ہے۔ یہ نظم ان کے مجموعہ 'نردبان' میں ہے جہاں ان کا ذہن ایک عجیب و غریب جہانِ دیگر کی دریافت کرنے لگتا ہے۔

تخلیقی عمل بذاتِ خود 'ماورائیت' ہے جو عالم غیب سے جنم لیتا ہے۔ وزیر آغا اس عمل کے پانچ مختلف مراحل بتاتے ہیں جس کا پہلا مرحلہ تخلیق کار کے اعمال میں منفعل نسلی و عصری تجربات کی یک جائی کا ہے۔ دوسرا مرحلہ ان تجربات کے ٹکراؤ کی طوفانی صورت ہے، تیسرا مرحلہ نراجیت کا ہے، جب کہ چوتھا مرحلہ جست کا ہے جو نراج یا بے ہیتی کے اندر سے ایک کوندے کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ پانچویں مرحلے میں کوندا تخلیق میں تقلیب حاصل کرتا ہے۔ یہ سارا عمل کسی مادی تجربے کی صورت میں یا کیمیکلز کے ملاپ کی صورت رونما نہیں ہوتا بلکہ سائنسی یا ارضی تجربات سے بالکل ماورا ہوتا ہے جہاں کسی لیبارٹری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس عمل کے دوران میں ایک جہانِ دیگر ہر لحہ طلوع ہوتا ہے جو سابقہ دنیاؤں اور جہانوں سے اپنی وضع، نوعیت اور انفرادیت میں چنداں مختلف ہوتا ہے۔ اس کی یہی انفرادیت، یہی نئی صورت، یہی جہانِ نو 'ماورائیت' کہلاتا ہے۔ وزیر آغا کے ہاں تخلیقی عمل کی مذکورہ بالا صورت موجود ہے جہاں ایک طرف عالم آب و گل کی طرف رجوع کرتے ہیں جو ان کی تخلیق میں ممد ثابت ہوتا ہے وہاں دوسری طرف ان کا رجوع تخلیقی باطن کی طرف ہوتا ہے جو ظاہر یا موجود سے بالکل ماورا ہوتا ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں اس جہانِ نو کے کئی مناظر ملتے ہیں۔

ابھی پانی نے بھاری ابر کا چوغہ نہیں پہنا
ابھی بادل نہیں گرجا، ابھی کوندا نہیں اُترا
ابھی سینے کے اندر
رائیگاں جانے کا بس احساس اُبھرا ہے

ISSN (P): 3006-6522
ISSN (E): 3006-6530

ابھی تو دھند پھیلی ہے، ابھی تو حرف پگھلے ہیں
ابھی حرفوں نے جڑ کر لفظ کی صورت نہیں پائی
قیامت آنے والی تھی مگر اب تک نہیں آئی[x]

نظم تخلیقی عمل سے شاعر کے تعلق خاطر کو ظاہر کرتی ہے۔ بقول ارمان نجمی:

تخلیق کاری کا معاملہ دراصل قلبِ ماہیت کا ہے جس کا آغاز بے ہیتی (Chaos) سے ہوتا ہے جس کے اندر سے کسی لکیر یا مبہم سی پرچھائیں کا خاکہ ابھرتا ہے، تخلیق کار جس میں رنگ بھر کے اسے تشخیص عطا کرتا ہے۔"[xi]

وزیر آغا کے ہاں تخلیقی عمل کے بعد کی سرشاری اور لمحہ مسرت کا عکس بڑے واضح اور نیچرل انداز میں ملتا ہے۔ قاری کو تخلیقی عمل میں اس طرح شریک کرتے ہیں کہ کائناتی آنکھ کی بجائے شعری آنکھ سے جہانِ نو کے نظارے کرنے لگتا ہے۔ نظم 'مجھے بھی نصب ہونا ہے' میں شعری کردار اپنی موت سے باخبر ہونے کے باوجود اس کے آگے جھکنے کو تیار نہیں، یہاں پھر کوئی پراسرار باطنی قوت نمودار ہوتی ہے جو اسے زندگی کی معنویت سے آشنائی عطا کرتے ہوئے ٹوٹنے پھوٹنے سے بچاتی ہے۔ 'سلوٹ' اور 'کھلونے' بھی اسی نوعیت کی تخلیق قرار پاتی ہیں۔

انسان کے دائرۂ حواس سے ماوراچیزیں 'ماورائیت' کی ذیل میں آتی ہیں۔ سچائی، حسن، خداوندی، عقائد، عبادات اور مذہبی تصورات، جنت، دوزخ، تقدیر، فرشتے، جزا اور سزا کے سبھی عوامل ماورائی تناظر کی نشان دہی کرتے ہیں جن کو حسیات کے ذریعے ہی پرکھا جا سکتا ہے۔ جدید اردو نظم کے دیگر شعراء کی طرح وزیر آغا کی نظموں میں بھی مذہبی عقائد اور تصورات کی یہ جہت نمایاں صورت میں ملتی ہے۔ ویسے بھی یہ حقیقت تسلیم کرنی کی ہے کہ مذہبی عقائد، اقدار اور عبادات کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ 'نار نمرود' میں پھینکے گئے حضرت ابراہیمؑ کا صحیح وسلامت رہنا اور آگ کا گل و گلزار بن جانا ماورائے عقل ہے، گویا جہاں عقل کا پیمانہ اپنی آخری حدوں کو چھوتا ہے وہاں سے روحانیت کی ابتدا ہوتی ہے۔ روحانیت کی دنیا مطلق جہانِ دیگر ہے جسے کائناتی آنکھ دیکھنے سے قاصر ہے۔ وزیر آغا کی نظموں میں 'ماورائیت' کی یہ صورت ملاحظہ ہو:

جو مزہ چاہت میں ہے
حاصل میں اس کا ڈھونڈنا بے کار ہے
ہو کہاں تم، کس جہاں میں
کیوں مجھے معلوم ہو
دھند میں ہو، خواب میں
یا آسماں کی قوس میں
یا موج کی گردش میں ہو
تم ہاتھ کی ریکھا کے اندر ہو کہیں
یا دور۔ سناٹوں کے ٹکراؤ سے پیدا
ان سنی آواز کی ریزش میں ہو
چاہے کہیں بھی ہو

مری چاہت کے پھیلے بازوؤں کے

حلقۂ موہوم میں موجود ہو[xii]

الغرض وزیر آغا کی نظموں میں جہاں ارضیت اپنی پوری تگ و تاز کے ساتھ موجود ہے وہاں 'ماورائیت' بھی ان کی تخلیقیت کا لازمی حصہ ہے۔ ان کے ہاں یہ دونوں ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔ اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ جدا نہیں کیا جا سکتا۔ مثل اس ستون کے جس پر روشنی پڑے گی تو سایہ نکلے گا، لیکن اگر روشنی کے زیادہ پرتو پڑیں گے تو زیادہ سایے نکلیں گے۔ بعینہٖ اگر مادیت پر ماورائیت کے زیادہ پرتو پڑیں گے تو اتنے ہی زیادہ پہلو نکلیں گے جتنی اچھی نظم ہو گی معنیات کے اتنے ہی سلسلے نمایاں ہوں گے۔ آدمی یا آرٹسٹ بذات خود تمام چیزوں کا ملغوبہ ہے۔ اب یہ ہے کہ جتنا بڑا آرٹسٹ ہو گا، اس کے متخیلہ کی برانگیختگی سے معنیات کے کئی پہلو نظر آئیں گے۔ اچھی شاعری وہ ہوتی ہے جس میں اس کا ایک سایہ نہ ہو بلکہ زیادہ سایے ہوں جو تہ داری کی حامل ہو اور جس سے ایک نئی دنیا سامنے آجائے۔ اس میں یادوں کے سلسلے برانگیختہ ہوں۔ وزیر آغا کی نظموں میں ارضیت اور ماورائیت کا جڑاؤ موجود ہے۔ ان کے قدم زمین کے ساتھ چپکے ہوتے ہیں اور نظریں آسمان کی طرف۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو منعکس کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں آمنے سامنے ہوتے ہیں تو عکسوں کا ایک لامتناہی سلسلہ وجود میں آجاتا ہے جو انھیں ہم عصر نظم نگاروں سے ممتاز بناتا ہے۔ ان کی نظموں کی درج بالا جہات انھیں جدید اردو نظم نگاری میں اختصاصی حیثیت عطا کرتی ہیں۔

کتابیات

[i] وزیر آغا، نردبان، مکتبہ اردو زبان، سرگودھا، ۱۹۷۹ء ص ۳۹، ۴۰

[ii] ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، دن ڈھل چکا تھا، نظموں کا تجزیاتی مطالعہ، مکتبہ نردبان، سرگودھا، ۱۹۹۶ء، ص ۶۲

[iii] وزیر آغا، نردبان، محولہ بالا، ص ۴۷

[iv] بلراج کومل، ڈاکٹر، وزیر آغا کا تخلیقی سفر، مشمولہ وزیر آغا اہل قلم کی نظر میں، ص ۳۹

[v] وزیر آغا، نردبان، محولہ بالا، ص ۶۱

[vi] ارمان نجمی، بیاض شب و روز، کاغذی پیرہن، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۵۶

[vii] انور سدید، ڈاکٹر، وزیر آغا۔ ایک مطالعہ، مکتبہ اُسلوب، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۸، ۱۹

[viii] وزیر آغا، نردبان، محولہ بالا، ص ۵۲

[ix] وزیر آغا، عجب اک مسکراہٹ، محولہ بالا، ص ۱۷، ۱۸

[x] ارمان نجمی، بیاض شب و روز، محولہ بالا، ص ۸۷

[xi] وزیر آغا، چنا ہم نے پہاڑی راستہ، کاغذی پیرہن، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۵

[xii] رفیق سندیلوی، امتزاجی تنقید، مضمون مشمولہ کاغذی پیرہن، وزیر آغا نمبر، ص ۷۲